فقر و فاقہ اور اُس کا اسلامی حل

از: یوسف القرضاوی ـــ ترجمہ و تلخیص:۔ عبدالحمید صدیقی

(۷)

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی سزا دُنیا اور آخرت میں اسلام نے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو دنیا و آخرت میں سخت سزا کی وعید فرمائی ہے۔ آخرت کی سزا کے بارے میں ارشادِ خداوندی ملاحظہ ہو۔ سیم و زر جمع کرنے اور اس میں سے خدا کا حق (زکوٰۃ) ادا نہ کرنے والوں کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ۔ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ۔

(توبہ: ۳۴-۳۵)

دردناک سزا کی خوش خبری دو ان لوگوں کو جو سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا ـــ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا۔ لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزا چکھو۔

بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "جسے اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اُس کی زکوٰۃ نہ دے اُس کے لیے اس کا مال قیامت کے دن ایک گنجے سانپ کی شکل میں پیش کیا جائے گا جس کے زہر بھرے منکے ہوں گے۔ اس سانپ کو اس آدمی کے گلے کا طوق بنایا جائیگا

پھر وہ اس کے دونوں جبڑوں کو ڈسے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا اندوختہ ہوں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران: ۱۸۰)

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لیے اچھی ہے۔ نہیں یہ ان کے حق میں نہایت بری ہے جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق بن جائیگا۔

دنیوی سزا کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جب بھی لوگوں نے زکوٰۃ دینی چھوڑی اللہ تعالیٰ نے ان کو بھوک اور قحط میں مبتلا کر دیا" ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ "جب بھی کسی قوم نے اپنے مالوں کی زکوٰۃ دینی بند کی اُن پر آسمان سے بارانِ رحمت کو روک دیا گیا۔ اگر چوپائے نہ ہوں تو اُن پر کبھی بارش نہ برسائی جاتے" ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ "صدقہ یا زکوٰۃ جب بھی کسی مال میں شامل ہوتا ہے وہ اُس مال کو خراب کر دیتا ہے" مطلب یہ ہے کہ اگر مال میں سے زکوٰۃ نہ نکالی جائے اور وہ اسی میں شامل رہے تو یہ رکی ہوئی زکوٰۃ اس مال کو تباہ کر دیتی ہے

یہ سب کچھ تو اُس تکوینی اور تقدیری سزا کے بارے میں ہے جو کائنات اور تقدیر کے مالک کی طرف سے ملتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور دنیوی سزا ہے جسے شرعی اور قانونی سزا کہتے ہیں اور جس کا نافذ کرنا اسلامی معاشرے میں اُولوالامر کے ذمہ ہے۔ اس سزا کے ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث زکوٰۃ کے بارے میں یوں آتی ہے کہ "جس نے اجر و ثواب کی نیت سے اسے ادا کیا اس کے لیے اس کا اجر ہے اور جو اسے ادا نہیں کرتا ہم اُس سے زکوٰۃ بھی وصول کریں گے اور اس کا آدھا مال بھی لے لیں گے جو ہمارے رب کی طرف سے عائد کردہ تاوان ہوگا اور جس میں سے آلِ محمدؐ کے لیے کوئی چیز جائز نہیں"

اس حدیث کی رُو سے اولوالامر کے لیے جائز ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کے آدھے مال کو

بحق سرکار ضبط کرلے۔ یہ ایک قسم کی مالی سزا ہے جسے حاکم بوقتِ ضرورت دے سکتا ہے تاکہ وہ زکوٰۃ چوروں کو سیدھا کرسکے۔ یہ سزا کوئی لازمی اور دائمی سزا نہیں ہے بلکہ ایک طرح کی تنبیہی سزا ہے جو مسلم سوسائٹی کے اولوالامر اور اربابِ حل وعقد کی صواب دید اور اجتہاد کے تابع ہوتی ہے جبکہ وہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کا دماغ درست کرنے کے لیے اس کی ضرورت محسوس کریں۔ نیز اولوالامر کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ حسبِ مصلحت وضرورت ایسے لوگوں کو جسمانی اور قید وبند کی سزا بھی دیں۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ بات ہے کہ اسلام سرکش مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف، جبکہ انہوں نے کوئی جتھا بنالیا ہو، تلوار سونتنے اور اعلانِ جنگ کرنے کو بھی جائز رکھتا ہے۔ چنانچہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف باقاعدہ جنگ کی تھی۔ اس موقع پر آپؓ نے یہ مشہور کلمات فرمائے تھے واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ، فان الزکوٰۃ حق المال، واللہ لئن منعونی عقالا کانوا یؤدونہ لرسول اللہ لقاتلتھم علیہ۔ (خدا کی قسم جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے جنگ کروں گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ خدا کی قسم اگر انہوں نے مجھے ایک عقال بھی نہ دی جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس پر اُن سے جنگ کروں گا۔)

علامہ ابنِ حزم فرماتے ہیں کہ "زکوٰۃ نہ دینے والے کے متعلق حکم یہ ہے کہ اس سے زکوٰۃ لی جائے قطعِ نظر اس سے کہ وہ اسے دینا چاہے یا نہ۔ کیونکہ اگر وہ زکوٰۃ نہیں دے رہا تو وہ گویا اسلامی نظام کے خلاف برسرِ جنگ ہے، اور اگر وہ سرے سے زکوٰۃ کی فرضیت ہی سے انکار کررہا ہے تو وہ مرتد ہے۔ اور اگر وہ اُسے چھپا رہا ہے تو وہ ایک جرم کا ارتکاب کررہا ہے، لہٰذا اُس کو سزا دینا یا اُسے مارنا حکومتِ وقت پر واجب ہے یہاں تک کہ وہ زکوٰۃ لے آئے یا مرکر ہمیشہ کے لیے خدا تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار کا مستحق بن جائے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی کسی منکر کا ارتکاب ہوتا دیکھے تو اگر اس میں طاقت ہو تو اُسے اپنے ہاتھ سے روک دے پس چونکہ

لہ بخاری ومسلم۔

زکوٰۃ کا ادا نہ کرنا بھی ایک منکر ہے اس لیے اسے روکنا ہر صاحبِ قوت و اقتدار پر فرض ہے"۔

زکوٰۃ کی اہمیت | مندرجۂ بالا آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ اس بات پر زور دیتی ہیں کہ زکوٰۃ کس اونچے درجے کا واجب ہے۔ یہ کوئی معمولی واجب نہیں بلکہ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں واضح کر چکے ہیں یہ اُن پانچ ستونوں میں سے ایک ہے جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے اور یہ معلوم ہے کہ زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک ہے۔ اسے ہر خاص و عام نے نقل کیا ہے اور اس کی فرضیت دلیل کی محتاج نہیں۔ کیونکہ یہ آیاتِ قرآنی سے بہ تکرار، سُنّتِ نبویؐ سے بالتواتر اور ساری امت کے اسلاف و اخلاف سے بالاجماع قطعی طور پر ثابت ہے۔

بعض محقق علماء کا کہنا ہے کہ عقلِ انسانی بھی زکوٰۃ کی فرضیت پر اسی طرح دلالت کرتی ہے جس طرح کہ قرآن و سنّت اور اجماعِ اُمت کرتے ہیں۔ اس کی مندرجۂ ذیل وجوہ ہیں:-

(۱) زکوٰۃ ادا کرنا اس وجہ سے واجب ہے کہ کمزور کی اعانت ہو، بے زر کی مدد کی جائے، اور یہ کسی عاجز اور درماندہ شخص کو اس پر قادر کر دے کہ وہ اللہ کی طرف سے فرض کردہ چیزوں یعنی توحید اور عبادات کو ادا کر سکے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ کسی فرض چیز کو ادا کرنے کا ذریعہ بھی فرض ہوتا ہے۔

(۲) زکوٰۃ اس شخص کو گناہوں کی نجاستوں سے پاک کر دیتی ہے جو اُسے ادا کرتا ہے اور اس کے اخلاق کو پاکیزہ کر کے اس میں جود و کرم اور ترکِ حرص و آز کی خوبیاں پیدا کر دیتی ہے۔ وہ دل جو فطرتاً مال و دولت کا حریص ہوتا ہے زکوٰۃ ادا کرنے سے فیاضی اور سخاوت کا عادی بن جاتا ہے اور امانتوں کے ادا کرنے اور مستحق لوگوں تک ان کے حقوق پہنچانے کا خوگر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں یہ سب چیزیں شامل ہیں: خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا (التوبہ ۔ ۱۰۳) "ان کے مالوں میں سے ایک مقدار صدقہ کی وصول کر کے ان کو پاک کر دو اور ان کا تزکیہ کرو"۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اہلِ ثروت کو دولتمند بنا کر اُن پر اپنا انعام کیا ہے اور مختلف نعمتیں اور ان کی اصلی ضروریات سے زائد مال دے کر انہیں خاص طور پر فضیلت بخشی ہے۔ وہ ناز و نعمت میں بڑی

شاندار زندگی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور نعمت کا شکر ادا کرنا عقلی اور شرعی دونوں اعتبار سے فرض ہے۔ زکوٰۃ کا ادا کرنا ایک طرح کا شکرانِ نعمت ہے لہٰذا فرض ہے۔

اسلام کے احکام و ضوابط میں فریضۂ زکوٰۃ کا جو مقام ہے اس کے پیشِ نظر ہی علماء نے کہا ہے کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے اور اس کے وجوب کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ اور وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے کمان سے تیر۔

ابنِ قُدامہ فرماتے ہیں" جو شخص بربنائے جہالت زکوٰۃ کے وجوب کا منکر ہو، اس کی اس لاعلمی کا سبب خواہ یہ ہو کہ وہ نیا نیا مسلمان ہوا ہے یا وہ شہروں سے دُور کہیں جنگلوں میں پلا بڑھا ہو، بعد میں اُسے زکوٰۃ کے وجوب کا پتا چلے تو اُسے کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ معذور رہے۔ لیکن اگر زکوٰۃ کے وجوب کا منکر مسلمان ہو اور کسی اسلامی ملک میں اہلِ علم کے درمیان رہتا ہو تو وہ مُرتد ہو گا۔ اس پر مرتدین کے سے احکام لاگو ہوں گے۔ اُسے تین مرتبہ توبہ کرنے کے لیے کہا جائے گا۔ اگر وہ توبہ کرلے تو چھوڑ دیا جائے گا ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ کیونکہ وجوبِ زکوٰۃ کے دلائل قرآن و سنّت اور اجماعِ امت سے بالکل واضح ہیں۔ جس شخص کا حال یہ ہو کہ وہ اسلامی ملک میں اہلِ علم کے درمیان رہتا ہو اُس سے قرآن و سُنت کے یہ دلائل مخفی نہیں رہ سکتے۔ اگر وہ وجوبِ زکوٰۃ کا انکار کرتا ہے تو وہ کتاب و سُنّت کی تکذیب کرتا ہے اور اُن دونوں کی حقانیت سے انکار کرتا ہے[1]"۔

<u>زکوٰۃ ایک مقررہ حق ہے</u> | اسلام میں زکوٰۃ ایک حق ہے یا امیر لوگوں کی گردنوں پر کمزور اور مستحق طبقوں کا قرضہ ہے۔ یوں وُہ ایک مقررہ حق ہے یعنی اُس کی شرح اور مقدار مقرر ہے جسے وہ لوگ بھی جانتے ہیں جن پر زکوٰۃ واجب ہے اور وہ بھی جانتے ہیں جن پر زکوٰۃ خرچ کی جاتی ہے۔ اس حق کو مقرر کرنے والی وہ ذات ہے جس نے اپنے پرہیزگار اور نیکوکار بندوں کے بارے میں فرمایا ہے: وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (اُن کے مالوں میں سائل اور نادار کا حق ہے)۔ اور ایک دوسری سورۃ میں جنت میں عزت و تکریم کے مستحق نیک بندوں کے بارے میں فرمانِ خداوندی

---

[1] المغنی جلد ۲۔ طبع ثالث المنار۔

ہے: وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ "اور وہ لوگ کہ جن کے مالوں میں سائل اور نادار کا ایک مقرر حق ہے"۔

اس حق کا تقرر و تعین کوئی تعجب خیز نہیں جب کہ ہمیں معلوم ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے مال پر انسان کی ملکیت کی حقیقت کیا ہے۔ اسلام کے اس نظریے کو نظریۂ استخلاف کہتے ہیں جس پر قرآن مجید کی مندرجۂ ذیل آیت اور اس طرح کی دوسری بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں:

وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ (الحدید ۷) اور خرچ کرو اس مال میں سے جس میں ہم نے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔

معلوم ہوا کہ انسان مال کا حقیقی مالک نہیں ہے۔ وہ تو مال کے حقیقی مالک، خالق اور رازق کی طرف سے مال کا امانت دار ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ اس خالق و رازق کے فرمان کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے۔ اور اس حق کو مان لے جو مال کے حقیقی مالک نے تھوڑا یا زیادہ مقرر کیا ہے۔

جب زکوٰۃ ایک مقررہ حق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فقراء، مساکین اور دیگر مستحق لوگوں کے لیے معاشرے کے اہلِ ثروت پر واجب قرار دیا ہے تو پھر یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ سال یا اس سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد ساقط نہ کیا جائے بلکہ اسے ادا کیا جائے اور اس کو مستحقین تک پہنچایا جائے۔ اس ضمن میں امام ابنِ حزم فرماتے ہیں: "جس کے مال میں دو یا اس سے زائد زکوٰتیں جمع ہو گئی ہوں اور وہ زندہ ہو تو جتنی زکوٰۃ اس پر ہر سال واجب ہوئی تھی، اُس حساب سے سارے سالوں کی زکوٰۃ اُس سے وصول کی جائے گی خواہ زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کا سبب یہ ہو کہ اُس نے اپنا مال چھپا لیا ہو، یا حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والا اہل کار اُس کے پاس نہ پہنچا ہو، یا بر بنائے لاعلمی زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کا مرتکب ہو گیا ہو۔ یہ زکوٰۃ نقدی کھیتی باڑی اور ڈھور ڈنگر سب پر پڑے گی خواہ اُس کے سارے مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو یا نہ، یا زکوٰۃ کی وصولی کے بعد اُس کا مال نصاب سے کم ہو جائے۔ اور قرض خواہ کچھ نہیں لیں گے جب تک کہ پوری زکوٰۃ ادا نہ کر دی جائے"۔[1]

---

[1] محلّی ابنِ حزم، جلد ۶، ص ۸۷۔

حکومتیں جو ٹیکس وصول کرتی ہیں وہ اگر کافی مدت تک ادا نہ کیا جائے تو ساقط ہو جاتا ہے یا اگر اس پر چند سال گزر جائیں تو وہ کم یا زیادہ ہو جاتا ہے۔ مگر زکوٰۃ مسلمان پر ایک قرض کی طرح باقی رہتی ہے وہ جب تک اُسے ادا نہ کر دے، اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا اسلام اور ایمان صحیح و صادق نہیں ہو سکتا۔ اور وہ جیسا کہ علامہ ابن حزم کا خیال ہے، اپنی بہت سی خصوصیات کی وجہ سے دوسرے سارے قرضوں سے ممتاز و مقدم ہے۔ وہ اللہ کا حق ہے۔ محتاج کا حق ہے اور ساری سوسائٹی کا حق ہے۔

اسی طرح کسی مالدار کے مرجانے سے اس کے مال پر سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہو جاتی اور باوجود اس کے کہ اُس نے وصیت نہ کی ہو، زکوٰۃ اس کے ترکے سے نکال لی جائے گی۔ عطاء، حسن، زہری، قتادہ، مالک، شافعی، احمد، اسحٰق، ابُو ثور، اور ابنِ منذر اسی کے قائل ہیں۔ یہ بات ہے بھی صحیح کیونکہ یہ اُس فرمانِ خداوندی سے مطابقت رکھتی ہے جو مواریث کے بارے میں قرآنِ مجید میں وارد ہے: مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِىْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ (النساء-۱۲) وراثت اس وقت تقسیم کی جائے گی جبکہ وصیت جو کی گئی وہ پوری کر دی جائے اور قرض جو میّت کے ذمّہ ہو ادا کر دیا جائے۔ اِس فرمانِ خداوندی میں سب قرضے شامل ہیں۔ اور زکوٰۃ علامہ ابنِ حزم کے بقول ایک قسم کا قرضہ ہے جو نصِ قرآنی کے مطابق اللہ، مساکین، فقراء اور ان لوگوں کے لیے ہے جن کے ذمّے کوئی تاوان ہو۔ علامہ ابنِ حزم نے زکوٰۃ کے قرض کو دوسرے سارے قرضوں سے مقدم رکھنے میں مسلم کی مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے: ابنِ عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری ماں مرگئی ہے درآنحالیکہ اس پر ایک ماہ کے روزے واجب تھے۔ کیا میں اُس کی طرف سے یہ قرض ادا کر سکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: "اگر تمہاری ماں پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟" اُس نے کہا: "ہاں" تو آپؐ نے فرمایا: "اللہ کا قرض اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اُسے ادا کیا جائے۔"

اس سے واضح ہُوا کہ مکلّفِ زکوٰۃ کی موت زکوٰۃ کو اس سے ساقط نہیں کر دیتی اگرچہ اس کی موت اس طرح ہوئی ہو کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہو کر شہید ہو گیا ہو۔ مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سوائے قرض کے شہید کے سب گناہ

معاف کر دیئے جاتے ہیں"۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کے قرض کی ادائیگی میں دیر کرتا جائے حتیٰ کہ وہ راہِ خدا میں شہید ہو جائے تو ابن تیمیہؒ وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ زکوٰۃ سے بری الذمہ نہیں ہوگا۔

معلوم ہوا کہ اسلام میں زکوٰۃ ایک ثابت شدہ حق ہے جو ایک عرصہ تک ادا نہ کیا جائے یا جس پر اس کا ادا کرنا فرض ہو اُسے موت آجائے تو یہ حق ساقط نہیں ہوگا بلکہ یہ مرنے والے کے ترکے سے وصول کر لی جائیگی اور یہ حق دوسرے ہر حق یا قرض پر مقدم سمجھا جائے گا۔ یوں اسلام دَورِ حاضر کے قوانین دربارۂ ٹیکس سے سبقت لے گیا ہے جو خزانۂ عامرہ کو مقروض کے مال پر ایک خاص اختیار دیتے ہیں جو اُسے دوسرے قرضخواہوں پر مقدم رکھتا ہے اور جس کی رُو سے اگر مقروض اپنے مال میں کسی قسم کا تصرّف کرنے کی کوشش کرے تو خزانۂ عامرہ اس میں اپنی مرضی سے کام لے سکتا ہے۔

اشتراکی طریق کار اور زکوٰۃ کا فرق | اسلام کے مطابق زکوٰۃ کی ماہیت و مزاج یہ ہے کہ وہ ایک "حقِ معلوم" ہے اور جس ذات نے اس حق کو مقرر و متعین فرمایا ہے وہ خود اللہ تعالیٰ ہے جو انسان کا پیدا کرنے والا اور مال کا عطا کرنے والا ہے۔ جب اشتراکیت کے علمبردار فقر و فاقہ کے مسئلے کو اٹھاتے ہیں تو وہ حدِ اعتدال سے بڑھ جاتے ہیں اور فساد و فتنہ برپا کرتے ہیں۔ وہ غریب سے کہتے ہیں کہ "تجھے لوٹ لیا گیا ہے اور تجھے لوٹنے والا امیر ہے"۔ پھر وہ غریب کو دولت کا لالچ دے کر بھڑکاتے ہیں اور فساد برپا کر کے امیروں کا سارا مال چھین لیتے ہیں۔ حالانکہ امرِ واقع یہ ہے کہ ہر غریب ایسا نہیں جسے لُوٹ لیا گیا ہے اور ہر امیر لٹیرا یا چور نہیں، اور ہر فقیر کا قصور امیر کے ذمے نہیں ڈالا جا سکتا۔ غریبوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنی غربت کے خود ذمہ دار ہیں۔ اور کچھ وہ ہیں جن تک اعتدال پسندوں کے نظریات پہنچے ہیں اور وہ بقول ڈاکٹر ابراہیم سلامہ اسلامی اصولوں اور قوانین کے تقریباً نزدیک آگئے ہیں مگر ابھی اُن تک پہنچے نہیں ہیں[1]۔

اشتراکیت کے علمبردار کہتے ہیں "امیر اور غریب کے مابین ایک تخمینی معاہدہ (APPROXIMATE CONTRACT) ہوتا ہے۔ وہ کسی کاغذ کے پُرزے پر لکھا ہوا نہیں ہوتا بلکہ اشیاء کی ماہیت میں لکھا

[1] دین و اخلاق از ڈاکٹر محمد ابراہیم سلامہ۔ باب انفرادی و اجتماعی اخلاق۔

ہوتا ہے۔ غریب آدمی کام کرتا ہے اور امیر آدمی کماتا ہے۔ امیر کی کمائی غریب کے کام کی وجہ سے ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے اس طرح متعلق ہیں جس طرح سرمایہ اور محنت لازم ملزوم ہیں۔ اور جب نظام اجتماعی ایسا ہو کہ اس میں غریب اور امیر کے درمیان اتنا عظیم فرق و امتیاز ہو تو چونکہ امیر کے ذمے غریب کا ایک قسم کا قرض ہوتا ہے جو وقت کے ساتھ بڑھتا رہتا ہے اس لیے جب غریب کو اس کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے تو وہ اپنے مقروض کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔"

بادی النظر میں اس نظریے میں کچھ باتیں درست بھی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر درحقیقت یہ نظریہ گمراہ کن اور غریب کے سینے میں امیر کے خلاف غیظ و غضب کی آگ بھڑکانے والا ہے۔ اور اس میں امیر کے لیے یہ دھمکی موجود ہے کہ اس فرضی معاہدے کے نام پر اس کا مال بزور لے لیا جائے گا۔ اسلام کے نقطۂ نظر اور اس ظن و تخمین پر مبنی غیر اسلامی نظریے کا موازنہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کا نقطۂ نظر حقیقت اور انصاف پر مبنی ہے اور یہ دوسرا نقطۂ نظر غصے اور بے اعتدالی پر۔

اسلامی نظریہ میں غریب کا اس حد تک مقرر و ثابت ہے کہ اسے "حق" کہا گیا ہے، معاہدہ نہیں کہا گیا۔ اسلام میں یہ حق "معلوم" ہے، غیر معلوم اور فرضی نہیں ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ کو حقوق اللہ میں سے بھی ایک حق قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ ایک انسان کا اپنے بھائی پر حق ہے۔ اللہ کا حق یہ اس بنا پر ہے کہ وہ انسان کا پیدا کرنے والا اور اس کا روزی رساں ہے، مال و دولت کا آفرنیدہ اور عطا کنندہ ہے، اسی کے حکم سے کائنات کی ہر چیز انسان کی خدمت کر رہی ہے، اس لیے انسان پر اس کا شکر واجب ہے اور اللہ نے خود اس کی یہ شکل مقرر کی ہے کہ اس کا خوشحال بندہ اس کے حاجت مند بندوں کی مدد کرے۔ اور انسان کا حق یہ اس بنا پر ہے کہ امیر اور غریب انسانیت یا عقیدے یا انسانیت اور عقیدے دونوں میں باہم دگر بھائی بھائی ہیں اس لیے غریب اور حاجتمند آدمی کا اپنے خوشحال بھائی کے مال میں لازماً ایک حق ہے جسے اس کو ادا کرنا چاہیے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں کہ دولتمند کے مال کے ساتھ فقیر بے نوا کے حق کا کیا تعلق ہے اور کیوں، جو کچھ فرمایا ہے، بہتر ہو گا اگر اس کا ذکر یہاں کر دیا جائے۔

"پہلی بات یہ ہے کہ کسی انسان کو اگر بقدرِ ضرورت مال مل جائے تو زیادہ حقدار ہے اس بات کا کہ اُسے اپنے قبضے میں رکھے، کیونکہ دوسرے ضرورت مندوں کی طرح اُسے بھی مال کی ضرورت ہے، اور اِس صورت میں صاحبِ مال کا حق دوسروں پر مقدم ہے۔ البتہ جب مال اس کی ضرورت سے زائد ہو اور کوئی دوسرا حاجتمند انسان بھی موجود ہو، تو یہاں دو اسباب ایسے جمع ہو جاتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔ جہاں تک مال کے مالک کا تعلق ہے اُس نے حصولِ مال میں چونکہ محنت و کوشش کی ہے اس لیے اس کا اپنے مال کے ساتھ ایک دلی تعلّق ہے۔ اور جہاں تک غریب و محتاج کا تعلق ہے اُسے چونکہ مال کی ضرورت ہے اس لیے وہ بھی مال کے ساتھ ایک قسم کا تعلق رکھتا ہے۔ جب یہ دو متضاد اسباب اکٹھے ہو جائیں تو پھر حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں اسباب میں ہر سبب کا امکان بھر لحاظ رکھا جائے۔ چنانچہ کہا جائے گا کہ مالک کو چونکہ اپنے مال پر حق اکتساب اور دلی تعلق کا حق حاصل ہے اور فقیرِ بے نوا کو صرف حقِ احتیاج، لہٰذا ہم مالک کے حق کو اس حد تک ترجیح دیں گے کہ اُسے مال کے بیشتر حصّے پر قابض رہنے دینگے اور غریب کو اس میں سے ایک حصّہ دلوائیں گے تاکہ دونوں کو تا حدِ امکان مطمئن کیا جاسکے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی مالدار اپنی اصلی ضروریات سے زاید مال کو روکے رکھے اور مال جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ اُس سے پُورا نہ کیا جائے، تو یہ ایک طرح سے اللہ کی حکمتِ تکوینی کو ظہور پذیر ہونے سے روکنے کی کوشش ہو گی جو بالکل جائز نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مال کا ایک حصّہ غریبوں کی طرف لوٹا دیا جائے تاکہ یہ حکمتِ الٰہی معطل ہو کر نہ رہ جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ فقراء و مساکین اللہ کا کنبہ ہیں اور اُمراء و اغنیاء اللہ کے خزانچی ہیں، کیونکہ ان کے پاس جو مال ہے وہ سب اللہ کا ہے اور یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ کوئی مالک اپنے خزانچی سے کہے کہ "میرے خزانے میں سے کچھ مال میرے کنبے کے غرباء و مساکین کو دے دے۔"

(باقی) ____________